# عہد نبویؐ میں اسلامی حکومت اور اداروں کی تشکیل

ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن *

**Abstract:**

The Prophet (PBUH) established economical, social, political and cultural institutions, based upon ideological doctrines, with some modification. He revived the basic features of society, whose values were democratic in nature in-spite of being very close to the un-civilized period. Therefore it can be called a successful revolution by establishing a society standing on strong footing with in a short period of time.

سرزمین مکہ میں انبیاء ورسل کے سلسلے کی آخری کڑی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے دورِ نبوت کا آغاز ہوا..... پہلے خفیہ اور پھر علی الاعلان تبلیغ کا کام جاری تھا۔ محدود تعداد نے حق کی آواز پر لبیک کہی، لیکن عام اہل ملک کی دشمنی اور عملی مخالفت میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا، خود آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کو بڑے صبر آزما حالات سے گزرنا پڑا۔ مصائب وآلام اور اذیت ناک سزائیں جس طرح روا رکھی گئیں وہ تاریخ اسلام کا ایک نہایت دردناک باب ہے.....، بظاہر تمام کوششوں کے باوجود یہاں اسلام کے عالمگیر اصولوں کے مطابق مستقل بنیادوں پر اسلامی حکومت کا قیام ممکن نظر نہیں آ رہا تھا..... چنانچہ بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد کچھ صحابہ کرامؓ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے اور بعد ازاں سیّد دو عالم ﷺ بھی ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور یہیں حضور ﷺ کی قیادت میں پہلی اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔

## اسلامی ریاست

اسلام کا مقصد اگرچہ دنیا میں حکومت وسلطنت کا قیام نہیں ہے، لیکن وہ حسن عمل کا لازمی نتیجہ ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے اپنے بندوں سے استخلاف فی الارض کا وعدہ کیا ہے جس کا ذکر اس آیۃ قرآنی میں موجود ہے، ﴿وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ.....الاٰيه﴾. (۱) اسلام کے احکام وقوانین کا پورا قیام ونفاذ حکومت کے بغیر نہیں ہوسکتا، چنانچہ سیّد دو عالم ﷺ نے مدینہ میں قیام کے بعد ریاست مدینہ کو عملی شکل دینا شروع کر دی جس کی تکمیل خلافت راشدہ کے زمانے

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، ایڈیٹر ''فکر ونظر'' ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد۔

میں ہوئی اور عہد رسالت کے سادہ نظام حکومت نے آگے چل کر ایک عظیم الشان حکومت کی شکل اختیار کر لی، جس کا ایک سرا ہندوستان وچین سے ملتا تھا اور دوسرا جبرالٹر سے۔

کسی ایسی ریاست کو جس میں بسنے والے لوگ مختلف مذاہب، مختلف قبائل اور مختلف نظریات کے حامل ہوں، کسی ایک دستور کا پابند کیے بغیر مستحکم بنیادوں پر استوار کرنا یا عملی شکل دینا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ہجرت کے پہلے ہی سال ایک دستور مرتب فرمایا۔ جس میں حکومت، رعایا اور دیگر تمام متعلقات کا تفصیلی ذکر موجود ہے، بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ یہ ''دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور'' ہے۔(۲) اس دستاویز کی باون دفعات ہیں۔ یہ دستاویز حضور ﷺ کی سیاسی بصیرت اور حکمت عملی کا شاہکار ہے۔ عہد نبویؐ کے نظامِ حکومت کا جائزہ لیتے وقت اس دستاویز کا تفصیلی ذکر بے محل نہ ہوگا۔ اس کی ایک ایک دفعہ سیاسی تدبر اور ریاست کے استحکام کی مظہر ہے۔

## دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور

مدینہ پہنچنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں بسنے والی اقوام نصاریٰ، یہود اور مسلمانوں کے درمیان ایک معاہدہ قلمبند کرایا جو تاریخ میں ''میثاق مدینہ'' کے نام سے مشہور ہوا اور یہ وہ پہلا تحریری دستور ہے جو آج تک تاریخ کے صفحات میں موجود اور محفوظ ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ لکھتے ہیں: دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور آنحضرت ﷺ نے تحریر کروایا''۔ غرض عام قواعد وقوانین ملک کم وبیش تحریری صورت میں ہر جگہ ملتے ہیں لیکن دستور مملکت کو عام قوانین سے علیحدہ تحریری صورت میں لایا جانا اس کی نظیر باوجود بڑی تلاش کے مجھے عہد نبویؐ سے پہلے نہیں مل سکی۔(۳)

ہجرت کے پہلے ہی سال آنحضرت ﷺ نے یہ نوشتہ مرتب فرمایا۔ اس دستور کی اہمیت کو غیر مسلم مورخین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اس دستور کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ شروع دور اسلام میں قرآن کے علاوہ کوئی دوسری چیز لکھنے کی ممانعت تھی، لیکن اس دستور کو آنحضرت ﷺ نے خود قلمبند کروایا۔

اس معاہدے کی ہر دفعہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی ایسے مدبر اور ماہر قانون کا تیار شدہ ہے جو حالات کی جزئیات تک سے کلی طور پر واقف ہو۔ آپؐ مدینہ میں نو وارد تھے اور محض اپنے چند ساتھیوں سمیت تشریف لائے تھے تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان تو خیر آپ کے تابع تھے ہی دوسرے قبائل اور یہود نے آپ کی سیاسی بالادستی کو کیسے قبول کر لیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مدینہ میں دو بڑے قبیلے اوس وخزرج اکثر برسر پیکار رہتے تھے۔ اگر ان میں کبھی امن پیدا ہو بھی جاتا تو یہود ان میں نیا فتنہ پیدا کر کے تماشائی کا کردار ادا کرتے اور اس طرح اہل مدینہ پر

اپنی بالادستی قائم رکھتے تھے۔اوس وخزرج کے بعض سمجھ دار لوگ یہودیوں کی اس فتنہ پردازی سے نالاں تھے،لیکن ان کے پاس اس کا کوئی علاج نہ تھا۔کوئی ایسی بااثر شخصیت ان کے سامنے موجود نہ تھی جو یہ فتنہ دبا سکے۔ہجرت سے پہلے ان لوگوں نے حج کے موقع پر آپ ﷺ سے ملاقات کی تو آپ ﷺ کی ذات میں اپنی منزل گم گشتہ نظر آئی۔ چنانچہ آپؐ شریف لائے تو ان لوگوں نے یہود کے فتنہ اور سیاسی دباؤ سے بچنے کے لیے آپ سے اتحاد وتعاون میں عافیت سمجھی۔ادھر یہود خود ایک وحدت نہ تھے، بلکہ تین بڑے قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔جن کی آپس میں رقابت چلتی تھی۔ چنانچہ میثاق مدینہ کو ان لوگوں نے بیک وقت قبول نہیں کیا۔ یکے بعد دیگرے حالات کے سامنے جوں جوں مجبور ہوتے گئے قبول کرتے گئے۔آپ ﷺ نے میثاق مدینہ میں چونکہ ہر شخص کی مذہبی آزادی اور عدل و انصاف کے ساتھ ہر ایک کے حقوق کو یکساں طور پر تسلیم کیا تھا،لہذا ان لوگوں کے لیے اس دستاویز کو قبول کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

''میثاق مدینہ'' صرف اپنے زمانے ہی میں اہمیت کا حامل نہیں بلکہ آنے والے تمام مسلمان حکمرانوں کے لیے بھی اس میں رہنما اصول مہیا کیے گئے ہیں۔(۴)

معروف مستشرق نکلسن لکھتے ہیں:

> ''بظاہر یہ محتاط اور دانشمندانہ اصطلاح ہے،حقیقت میں یہ ایک انقلاب ہے۔محمد ﷺ نے قبائل کی بے راہ روی پر کھلم کھلا ضرب نہیں لگائی،لیکن اسے ختم کر ڈالا..... ہر چند اس وحدت میں یہودی،مشرکین اور مسلمان شریک تھے لیکن آپ ﷺ اس حقیقت کو سمجھتے تھے کہ اس نوزائیدہ ریاست میں فعال اور بااثر حصہ دار مسلمان ہی ہیں۔ اس حقیقت کو آپ کے مخالفین پہلے نہ دیکھ سکے''۔(۵)

آنحضرت ﷺ نے ریاست کے استحکام کے لیے وہاں کے مروجہ نظام کو ہی اختیار فرمایا۔قبائلی نظام جمہوری نظام کے بہت قریب تھا۔سردار،عمر،علم اور خاندانیت میں افضل ہونے کی بناء پر منتخب کیا جاتا تھا اور وہ قبیلہ کے دیگر افراد کے مقابلے میں First among equal کی حیثیت رکھتا تھا۔آئین مدینہ نے اس نظام کو قبول کیا اور اس طرح علاقائی جمہوریت کا نظام بھی مہیا کیا گیا۔علاقائی جمہوریت سے مراد یہ ہے کہ مرکزی حکومت وفاق پر اپنی will کو مسلط نہیں کرتی۔تاہم کسی وفاقی اکائی کو بادشاہت، جاگیردارانہ نظام یا اشرافیہ،استبدادیت قائم کرنے کی

اجازت نہ تھی۔ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے جمہوریت سے متعلق اسلامی رویہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:
آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جانشینی کا سوال ایک سیاسی ہنگامہ کی شکل میں اٹھا، بات یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے اس کا فیصلہ اپنی زندگی میں نہیں کیا تھا۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ آپ عربوں کے جمہوری نظام کو پسند فرماتے، اس لیے آپ کو اعتماد تھا کہ مسلمان جمہوریہ طریقہ انتخاب سے ایک شخص کو اپنا حاکم بنالیں گے۔(۶)

## ریاست مدینہ کی تشکیل

جزیرہ نمائے عرب نے اسلام سے پہلے کبھی ایک منظّم حکومت کی شکل اختیار نہیں کی، اس دستاویز کو قبول کرنے کے بعد پہلی مرتبہ یہاں کے باشندگان حضور ﷺ کی سیادت وقیادت میں متحد ہوئے۔ جس ملک میں نراج کا دور دورہ ہو، قبائل عصبیتیں عروج پر ہوں، وہاں ایک مرکزیت قائم کر دینا بلاشبہ یہ حضور ﷺ کا عظیم الشان کارنامہ تھا۔ اس دستور کے ذریعے سے شہر کی حفاظت و مدافعت اور قریش سے مقابلے کا انتظام شروع ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ مدینہ پہنچتے ہی آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے اپنے بے خانماں ساتھیوں کی رہائش کا انتظام کیا۔ پھر ان مہاجرین اور مدنی مسلمانوں میں ''مؤاخات'' (۷) کے نام سے تنظیم پیدا کر کے ایک شہری مملکت کی بنیاد ڈالی۔ یوں تو تمام امت مسلمہ رشتہ اخوت میں منسلک ہے اور ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ کا ارشاد اسی حقیقت کا بیان ہے لیکن اس اخوت و یگانگت کا جو عملی مظاہرہ مدینہ طیبہ میں نظر آیا تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر و عاجز ہے، مکہ کے مہاجرین اللہ اور رسول ﷺ کی محبت اور حفاظت دین کے لیے اپنا گھر بار، مال ومتاع سب کچھ چھوڑ کر مدینہ پہنچ گئے۔ ظاہر ہے کہ نئی جگہ انہیں معاشی مسئلہ درپیش تھا اور اس کے ساتھ ساتھ یہاں کے باشندوں سے انہیں کوئی خاص شناسائی بھی حاصل نہیں تھی، سرور دو عالم ﷺ نے حکیمانہ تدبر اور حکمت عملی سے اس گتھی کو یوں سلجھایا کہ بیگانگی کا کوئی شائبہ بھی باقی نہ رہا، آپ نے ایک مہاجر اور ایک انصار کو بھائی بنا دیا۔ سرور عالم ﷺ کی زبان مبارک نے جن دو صحابیوں کو رشتہ اخوت میں منسلک کیا ان کی اخوت و یگانگت سگے بھائیوں کی محبت سے بڑھ گئی۔ انصار نے ایثار و قربانی کا وہ حیرت انگیز نمونہ پیش کیا جو صفحات تاریخ میں ہمیشہ درخشاں رہے گا۔ انہوں نے مہاجرین کو مال و دولت، زمین و جائیداد اور کھیتی باڑی میں برابر کا شریک کر لیا۔(۸)

انصار کی فراخدلانہ محبت اور اتباع رسول کا اندازہ اس سے کیجئے کہ عبدالرحمان بن عوف کی مؤاخات سعد بن ربیع کے ساتھ ہوئی تھی۔ یہ عبدالرحمٰن کو اپنے گھر لے گئے اور کہا کہ اس تمام مال واسباب میں نصف آپ کا ہے اسے قبول کیجئے اور سنیے میری دو بیویاں ہیں، آپ جس کو پسند کریں میں اسے طلاق دے دوں گا اس سے آپ نکاح کر

لیجئے۔(۹) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے مال وعیال میں اللہ برکت دے مجھے تو بازار کا راستہ بتا دیجئے۔ سرور عالم ﷺ کی اس حکمت عملی اور سیاسی تدبر سے جہاں مہاجرین کا معاشی مسئلہ حل ہو گیا وہاں مدینہ کی شہری مملکت کے استحکام کا بھی پہلا مضبوط پتھر رکھ دیا گیا۔

## اسلام کی سیاسی تعلیمات اور عہد نبوی میں ان کا نفاذ

کوئی بھی ریاست مضبوط و مستحکم نظام کے بغیر دیر تک اپنے وجود کو قائم نہیں رکھ سکتی۔ اس کے لیے ایک سیاسی تنظیم بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد اسلامی ریاست کی جو داغ بیل ڈالی اس کو مستقل بنیادوں پر استوار کیا۔ عقائد اور فکر کے ساتھ سیاسی اداروں کو عملی شکل دی اور وہ جملہ امور جو کسی ریاست کے وجود اور بقاء کے لیے ناگزیر ہیں انہیں عملی شکل دے کر ریاستی ضرورتوں کو پورا کیا۔ ذیل میں ہم سب سے پہلے اسلامی ریاست کے تین بنیادی اصولوں یعنی اقتدارِ اعلیٰ کا تصور، رئیس مملکت اور شوریٰ کے خدوخال کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہاں ایک بنیادی اہمیت کی حامل بات کی جانب توجہ دلانا نہایت ضروری ہے۔ جس طرح یہ کہنا مبنی برحقیقت نہیں ہے کہ عہد نبویؐ کے تمام ادارات جاہلی ورثہ تھے اور ریاست مدینہ کا تمام نظم ونسق عرب جاہلیہ میں اس وقت رائج سیاسی نظاموں سے اخذ کر لیا گیا تھا۔ اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے رائج تمام نظاموں کو بالکلیہ مسترد فرما دیا۔ کیونکہ بعض سیاسی، سماجی اور مذہبی انتظامات ایسے ہیں جو عہد نبویؐ سے قبل بھی پائے جاتے تھے، مثلاً مشورہ کا اصول، صوبوں میں گورنروں کا تقرر، مذہبی رسوم بھی کسی قدر ملتی جلتی موجود تھیں۔ عہد نبویؐ کے مشہور سیاسی اداروں عرافہ اور نقابہ کا وجود بھی عہد جاہلیہ میں موجود ملتا ہے۔ علاوہ ازیں وصیت، میراث، ترکہ کے اسلامی اصولوں سے کس قدر مماثل معاشرتی نظام کے خدوخال بھی جاہلی دور میں نظر آتے ہیں۔ لیکن یہاں اس حقیقت سے صرف نظر نہیں کرنا چاہیے کہ بعض آفاقی اصول ایسے ہوتے ہیں جنہیں کسی بھی نئی ریاست کا بانی نظر انداز نہیں کر سکتا اور اس مماثلت کے سبب انہیں ایک دوسرے کا چربہ قرار دینا قرین انصاف نہ ہوگا۔ یہاں ابن القطقطی کا قول نقل کرنا زیادہ مناسب ہوگا، لکھتے ہیں:

> ''اسلامی حکومت، اپنی غایت اپنی سادگی اور اپنی عمومیت کے اعتبار سے ایک مستقل اور جداگانہ شئے ہیں، وہ ایک ایسی حکومت ہے جو عام دنیاوی حکومتوں سے بالکل الگ اور پیغمبرانہ اوصاف سے مستفید ہے''۔(۱۰)

ذیل میں اسلامی ریاست کے بنیادی عناصر کو ترتیب وار بیان کیا گیا ہے۔

## مقتدر اعلیٰ

اقتدار اعلیٰ (Soverignty) ایک جدید سیاسی اصطلاح ہے جو لاطینی لفظ (suparanus) سے نکلی ہے جس کے معنی برتر و اعلیٰ (Supereme) کے ہیں۔ مغربی سیاسی نظریہ کے مطابق ریاست کے عناصر اربعہ (آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ) میں سے اقتدار اعلیٰ کو اوّلین مقام حاصل ہے، اس کے بغیر کوئی ریاست، ریاست کہلانے کی مستحق نہیں۔ انگلستان میں سب سے پہلے اس نظریئے کو پیش کرنے والے تھامس ہابز (Thomas Hobbes) کے نزدیک اقتدارِ اعلیٰ بادشاہ کو حاصل ہے اور اس کا حکم قانون کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ معاہدہ عمرانی کے وقت عوام تو اپنے اختیارات بادشاہ کو سونپ دیتے ہیں لیکن بادشاہ ایسا نہیں کرتا۔ اس یکطرفہ معاہدہ کے بعد سے کامن ویلتھ وجود میں آجاتی ہے۔

انقلاب فرانس کے مفکرین میں سے روسو (Rousseau) نے اپنے نظریہ ارادہ عامہ (General Will) میں عوام کو طاقت کا سرچشمہ بتایا۔ اپنے اس نظریے کی مدد سے وہ ایک دوسرے نظریہ ریاست کی بنیاد افراد کی مرضی یا ارادہ پر ہے ''جبر یا طاقت پر نہیں'' کو ترقی دیتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ کو عوام کے ہاتھوں میں دے کر وہ فرد کو دو مختلف کردار سونپتا ہے، ایک قانون سازی کا اور دوسرا قانون کی اطاعت کا، فرد مقتدر اعلیٰ ہونے کی وجہ سے قانون خود بناتا ہے لیکن رعایا ہونے کی وجہ سے اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کی اطاعت کرتا ہے۔

ریاست نبویؐ میں اقتدار اور حاکمیت اعلیٰ کا منصب اللہ رب العزت کے لیے مختص ہے، اسلامی نظریہ سیاست میں طاقت کا سرچشمہ ''اللہ رب العزت کی ذات وحدہ لاشریک ہے''۔ رسول اللہ ﷺ نے حاکمیت الٰہی کا نظریہ پیش بھی کیا اور اسے اپنی ریاست میں بہ تمام وکمال نافذ بھی فرمایا۔ اسلام کا موقف یہ ہے کہ ہر قسم کی حاکمیت کا مبدأ اور مرکز ذات واحد ہے۔ وہ کائناتی، سیاسی، قانونی، اخلاقی و اعتقادی، جملہ اقسام کی حاکمیت کا سرچشمہ اللہ کو ٹھہراتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ذَالِكُمَ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرِفُوْنَ﴾. (۱۱)

یہی اللہ تمہارا رب ہے، بادشاہت اسی کو ہے، کوئی الہ اس کے سوا نہیں، پھر تم

کدھر پھرے جارہے ہو۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾.(۱۲)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ محض خالق ہی نہیں آمر اور حاکم بھی ہے، علاوہ ازیں کائنات کو تخلیق کر کے وہ معطل نہیں ہو گیا، بلکہ اس پر حکمرانی کر رہا ہے۔

اسلامی اجتماعیات کے ماہرین نے اپنی تصریحات میں اسلام کے اقتدار اعلیٰ کے متعلق ایک قطعی راہ اختیار کی ہے کہ خدا کی حکومت کا اقتدار اعلیٰ بجائے خود خداوند برتر کا اقتدار اعلیٰ ہے۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

''دنیا کی ہر چیز اس کے تحت سلطنت کے ماتحت ہے اور تخت اس کے اقتدار اعلیٰ کے تابع ہے، اس کا اقتدار قدرت عامہ اور حکومت کمال کے ایسے منتہاء پر ہے کہ اس سے اوپر کوئی اقتدار نہیں۔ ہر کمی سے محفوظ اور ہر نقصان سے خالی اس کے غلبے اور تسخیر کی قوتیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ حکومت اس کی چیز ہے اور سلطنت اس کی ملک''۔(۱۳)

ان تمام تصریحات سے جو بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کے سیاسی نظام میں کسی کو بھی خواہ فرد ہو یا اجتماع یا پارلیمنٹ حتمی اتھارٹی حاصل نہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اس کا مجاز نہیں کہ وہ خداوند قدوس کے اٹل اصولوں میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی لا سکے۔ اسلامی قوانین اور حاکمیت کا مرجع و منبع صرف اللہ کی ذات ہے اور احکم الحاکمین کی تمام ہدایات آخری نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید میں محفوظ ہیں۔ اسی اقتدار اعلیٰ میں ایک پہلو سنت کا بھی ہے۔ اس کو ایک پہلو قرار دینے سے مقصد یہ ہے کہ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ کے فرمان الٰہی کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کی سنت بھی درحقیقت احکام الٰہیہ کا ہی حصہ ہے۔ اور ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ کا حکم دے کر سنت رسول ﷺ کو قانون اسلامی کا بنیادی مآخذ قرار دے دیا ہے۔

''یہی محمدی تعلیم وہ بالاتر قانون ہے جو حاکم اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) کی مرضی کی نمائندگی کرتا ہے، یہ قانون محمد ﷺ سے ہم کو دو شکلوں میں ملا ہے۔ ایک قرآن جو لفظ بلفظ خداوند عالم کے احکامات و ہدایات پر مشتمل ہے۔ دوسرے محمد ﷺ کا اسوہ

حسنہ یا آپؐ کی سنت جو قرآن کی منشا کی توضیح وتشریح کرتی ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ خدا کے محض نامہ بر نہیں تھے کہ اس کی کتاب پہنچا دینے کے سوا ان کا کوئی کام نہ ہوتا وہ اس کے مقرر کیے ہوئے راہنما، حاکم اور معلم بھی تھے ان کا کام یہ تھا کہ اپنے قول اور عمل سے قانون الٰہی کی تشریح کریں، اس کا صحیح منشاء سمجھائیں اس کے منشاء کے مطابق افراد کی تربیت کریں پھر تربیت یافتہ افراد کو ایک منظّم جماعت کی شکل دے کر معاشرے کی اصلاح کے لیے جدوجہد کریں، پھر اس اصلاح شدہ معاشرے کو ایک صالح و مصلح ریاست کی صورت دے کر یہ دکھا دیں کہ اسلام کے اصولوں پر ایک مکمل تہذیب کا نظام کس طرح قائم ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ پورا کام جو ۲۲ سال کی پیغمبرانہ زندگی میں آپ نے انجام دیا، وہ سنت ہے جو قرآن کے ساتھ مل کر حاکم اعلیٰ کے قانون برتر کی تشکیل وتکمیل کرتی ہے اور اسی قانون برتر کا نام اسلامی اصطلاح میں شریعت ہے''۔ (۱۴)

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اقتدار اعلیٰ اللہ کی ذات کو حاصل ہے لیکن اس کی عملی شکل کی صورت کیا ہوگی، یعنی نیابت الٰہی کا فریضہ کون سرانجام دے گا۔ شیعہ کے نزدیک ''خلافت بھی دین کا ایک رکن ہے اور اس کے لیے امت کا مشورہ ضروری نہیں۔ (۱۵) ان کے نزدیک خلافت کا منصب آنحضرت ﷺ کے خاندان کے ساتھ خاص ہے۔ یہ اہل بیت کے حامی تھے اور ان کا خیال تھا کہ خلافت کا حق اہل بیت تک اور وہ بھی صرف حضرت علیؓ کی اولاد میں محدود رہنا چاہیے۔

خوارج کا ابتداء میں نظریہ یہ تھا کہ خلافت پر عربی النسل متنفس کا حق ہے، خوارج کے زاویہ نگاہ سے خلیفہ کا معزول کرنا حتی الامکان جائز نہ تھا لیکن اگر خلیفہ جبر واستبداد کا مرتکب ہو تو نہ صرف معزول کرنا جائز تھا بلکہ مصلحت وقت کے لحاظ سے اس کا قتل کر دینا بھی ان کے اعتقاد میں معیوب نہ تھا۔ (۱۶)

معتزلہ یا قدریہ کے نزدیک امامت امت مسلمہ کا حق ہے، دلیل یہ تھی کہ خدا نے اس منصب کے لیے کسی خاندان یا فرد کی تعیین نہیں کی، امت کو اختیار ہے کہ تنفیذ احکام کے لیے وہ اپنا فرمانروا یا خلیفہ جس کو چاہے منتخب کر لے۔ (۱۷)

اہل السنۃ کے نزدیک متفق علیہ شرائطِ امیر درج ذیل ہیں:

۱۔ اسلام (مسلمان ہو)

۲۔ مکلّف ہو (عاقل و بالغ ہو)

۳۔ مرد ہو۔

۴۔ جری اور شجاع ہو۔

۵۔ صحت منداور ہوش وحواس والا ہو۔

مختلف فیہ شرائط:

۱۔ عادل (غیر فاسق) اور صاحب اجتہاد ہو (اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو)۔ [حنابلہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ شرط لازم ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک یہ ضروری نہیں]۔

۲۔ سماعت وبصارت ٹھیک ہو، ہاتھ پاؤں سلامت ہوں۔

[جمہور فقہاء کے نزدیک یہ ضروری ہے، بعض فقہاء اسے ضروری قرار نہیں دیتے]۔

۳۔ قریشی ہو۔ [جمہور کے نزدیک۔ جبکہ بعض نے اس میں اختلاف کیا ہے]۔(۱۸)

سیّدابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: ''قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ اللہ کی نیابت کا یہ مقام کسی فرد واحد، یا کسی خاندان یا کسی خاص مخصوص طبقے کا حق نہیں ہے بلکہ تمام ان لوگوں کا حق ہے جو اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کریں اور رسولؐ کے ذریعے سے پہنچے ہوئے قانون کو بالاتر قانون مان لیں.....اہل مغرب جس چیز کو لفظ جمہوریت سے تعبیر کرتے ہیں اس میں جمہور کو حاکمیت قرار دیا جاتا ہے اور ہم مسلمان جسے جمہوریت کہتے ہیں اس میں جمہور صرف خلافت کے حامل ٹھہرائے جاتے ہیں، ریاست کے نظام کو چلانے کے لیے ان کی جمہوریت میں بھی عام رائے دہندوں کی رائے سے حکومت بنتی اور بدلتی ہے اور ہماری جمہوریت بھی اس کی متقاضی ہے مگر فرق یہ ہے کہ اس کے تصور کے مطابق جمہوری ریاست مطلق العنان اور مختار مطلق ہے اور ہمارے تصور کے مطابق جمہوری خلافت اللہ کے قانون کی پابند۔(۱۹)

## حاکمیت الٰہی

حاکم مطلق اور آمر حقیقی صرف اللہ رب العالمین ہے، انسان اس کا انتظامی نائب ہے۔ لہذا کسی انسان کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں کو محکوم بنا کر اپنا بندہ بنائے۔ وہ مالک نہیں منتظم ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿اَنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰه﴾(۲۰)

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ﴾(۲۱)
﴿اَلَا لَهُ الْحُكْمُ﴾(۲۲)

اسی طرح کی متعدد آیات ہیں جن میں حاکمیت الٰہی کے عقیدہ کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔اب جب ہم آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر نظر ڈالتے ہیں تو آپ کی زندگی ان تعلیمات کی تفسیر نظر آتی ہے، آپ کا کوئی فیصلہ اللہ جل شانہ کی مرضی کے خلاف نہیں۔آپ نے عزت و ذلت کا مرقع اسی کی ذات کو جانا اور آپ کا یہ ارشاد:

''میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دو پھر بھی حق بات کہنے سے باز نہیں آؤں گا''۔

## رسالت

آنحضرت ﷺ کے فرمودات اور آپ کی سنت کو اسلام کے دیگر شعبوں میں جس طرح بنیادی اہمیت حاصل ہے بعینہٖ وہی درجات سیاست میں بھی حاصل ہے۔اطیعوا اللہ کے ساتھ اطیعوا الرسول کا حکم اسی عقیدے کی وضاحت ہے کہ قرآن کے بعد سب سے بڑی اتھارٹی آنحضرت ﷺ کی ذات ہے۔کسی پارلیمنٹ، اسمبلی، کسی جمہور کے فیصلے کو قرآن وسنت کے مقابلے میں کوئی قانونی حیثیت حاصل نہیں۔حضرت معاذؓ بن جبل والی حدیث (۲۳) میں آنحضرت ﷺ نے خود اس بات کی توثیق فرمائی کہ کتاب اللہ کے بعد دوسرا بڑا ماٰخذ قانون و ہدایت آنحضرت ﷺ کے ارشادات ہیں۔

## اوالوالامر

اولوالامر میں انتظامیہ، مقنّنہ اور عدلیہ تینوں شعبے داخل ہیں۔قرآن مجید میں اللہ اور رسول کے بعد اطاعت امیر کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور اسلام کے دائرہ میں رہتے ہوئے امیر کی اطاعت سے سرمو انحراف کی گنجائش نہیں۔

﴿وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾(۲۴)

ارشاد ربانی واضح دلیل ہے۔

## عدل وانصاف

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾(۲۵)

اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو، یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔

اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کم تر درجہ کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

قرآن وحدیث کی ان تعلیمات کی روشنی میں جب ہم عہد نبویؐ پر نگاہ ڈالتے ہیں، تو عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا ہوتے دیکھ کر غیر مسلم بھی آنحضرت ﷺ کے پاس انصاف طلب کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔

## شخصی آزادی

جس شخصی آزادی کا عصر حاضر میں ڈھنڈورہ پیٹا جاتا ہے اور یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ فرد کو جبر واستحصال سے آزادی اور اپنی رائے کے آزادانہ استعمال کا حق آج کے دور کا کارنامہ ہے۔ حقیقتاً اگر آج سے کم وبیش پندرہ سو سال پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھیں تو شخصی آزادی کے جو مناظر وہاں سامنے آتے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ عرب جاہلیہ کے معاشرے میں پائی جانے والی تفریقات کے سبب کمزور سے بولنے کا اپنی رائے کے آزادانہ استعمال کا جو حق چھین لیا گیا تھا، آنحضرت ﷺ نے ان حالات میں انقلاب برپا کر دیا۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کرنے پر انصار کا اظہار رائے آنحضرت ﷺ کی عطا کردہ آزادی کا نتیجہ تھا۔ بھری مجلس میں آپ سے بدلہ طلب کرنا عہد نبوی میں دی گئی شخصی آزادی کا مظہر ہے۔

جنگ احد میں رسول کریم ﷺ اور ممتاز صحابہ کرامؓ کی یہ رائے تھی کہ مدینہ میں رہ کر دفاع کیا جائے ورنہ شکست کا ڈر ہے، لیکن ساتھیوں کی اکثریت کی رائے اس کے حق میں نہ تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے آئے۔ یہ الگ بات ہے کہ جنگ کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ دفاع کے بارے میں رسول کریم ﷺ اور صحابہؓ کی رائے ہی درست تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے بعد اپنے کسی ساتھی سے یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری وجہ سے جنگ کا فیصلہ ہمارے حق میں نہیں ہوا۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے دو باتوں کا صاف طور پر پتہ چلتا ہے:

۱۔ مسلمان سیاسی اور اجتماعی امور میں آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے لیکن جن باتوں میں وحی الٰہی نے کوئی فیصلہ دیا ہو وہ آخری فیصلہ شمار ہوتا تھا۔

۲۔ عقیدے میں آدمی کی رائے کا احترام کیا گیا چنانچہ نصاریٰ اور یہود اپنے عقیدے پر قائم رہے اور اپنی مذہبی رسومات کو آزادی کے ساتھ بجالاتے تھے۔ میثاق مدینہ جو ایک خالص سیاسی معاہدہ ہے، اس معاہدے میں جو مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین ہوا، یہ طے پایا:

۱۔ پیغمبر اسلام نے مدینہ منورہ کی جو شہری ریاست بنائی ہے، مسلمان اور یہود دونوں اس کے شہری ہیں۔

۲۔ دونوں مدینہ منورہ کی پاک اور مقدس سرزمین کا مشترکہ دفاع کریں گے۔

۳۔ دونوں فریق کو مکمل طور پر اپنے اپنے مذہب کی آزادی حاصل ہوگی۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ عرب جاہلیہ کا یہ رواج تھا کہ اگر یہودی یا کھیتی باڑی کرنے والا عرب شہری قتل ہو جاتا تو اس کا خون بہا سپاہیانہ زندگی بسر کرنے والے عرب سے کم ہوتا، لیکن رسول اکرم ﷺ نے اپنے سیاسی معاہدے میں یہودیوں کے سیاسی مرتبہ کو مسلمانوں کے برابر قرار دیا۔

علاوہ ازیں شخصی آزادی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ کسی شخص کے معاملات میں تجسس نہ کیا جائے، سو اس ضمن میں بھی آنحضرت ﷺ کا واضح ارشاد موجود ہے۔

''مقدام بن معدیکرب اور ابوامامہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، امیر جب لوگوں کے اندر شبہات تلاش کرے تو ان کو بگاڑ دیتا ہے۔(۲۶)

میثاق مدینہ رائے اور مسلک کی آزادی کا بہترین نمونہ ہے، اس کے علاوہ پورا خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق کے تحفظ کا چارٹر ہے۔

## معاہدات کی پابندی

﴿اَوْفُوا بِالْعَهْدِ﴾ کا قرآنی حکم افراد کے باہمی معاہدوں اور اقوام کے باہمی معاہدات دونوں کو محیط ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس حکم قرآنی پر بھی عمل کا کمال نمونہ پیش کیا، ابھی عہد نامہ حدیبیہ پر دستخط بھی نہیں ہوئے تھے کہ معاہدہ کو نبھانے کا وقت آ پہنچا۔ ابن سہیل بن عمرو، زخموں سے چور، خون سے تربتر پابہ زنجیر بارگاہ رسالت میں آ پہنچا اور آپ نے ڈوبتے دل اور ڈبڈباتی آنکھوں کے ساتھ ابن سہیل بن عمرو کو سفیر قریش کے سپرد کر دیا کہ شرائط

صلح میں یہ اصول طے پا چکا تھا۔(۲۷)

## امیر کی حیثیت

دین اسلام میں ''حاکمیت الٰہیہ کے تصور سے بھی یہی مراد ہے کہ عرب جاہلیہ میں سیاسی انارکی کے باوجود جب حضور اکرم ﷺ کے جد امجد قصی بن کلاب نے مکہ پر قبضہ کر کے یہاں حکومت قائم کر لی تو اہل مکہ نے ان کے حکم کو بلا چون و چرا تسلیم کیا۔ روایت کیا گیا کہ:

> ''جس طرح مذہب کی پیروی کی جاتی تھی، اہل مکہ اسی طرح قصی کے حکم کی پیروی کرتے تھے، زندگی تو زندگی مر جانے کے بعد بھی انہی کے حکم پر عمل ہوتا تھا''۔

اس تحریر کے تکرار سے مقصود یہ ہے کہ اہل مکہ کے ہاں ایام جاہلیت میں اطاعت امیر کا اصول تو تمام جزئیات کے ساتھ عملی صورت میں موجود تھا۔ اسلام نے اطاعت امیر کو اصول وضوابط کا پابند بنا کر ان کے ہاں پائے جانے والے اس جذبے کو ایک نئی شکل دی۔

قرآن مجید میں جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم دیا گیا وہاں اس سے متصل ''اولی الامر'' کی اطاعت کا حکم بھی دے دیا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ أَطِيْعُوا اللّهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيْلاً﴾(۲۸)
>
> اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں، پھر اگر نزاع ہو جائے تمہارے درمیان کسی چیز میں تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر مانتے ہو اللہ کو اور قیامت کے دن کو یہی روش اچھی ہے اور بہت بہتر ہوگا اس کا انجام۔

امام ابن جریر نے صحابہ وتابعین سے اولی الامر کی تفسیر میں دو قول نقل کیے ہیں: ایک یہ کہ ''**ھم الامراء**'' یعنی مسلمانوں کے حکمرانوں اور امراء مراد ہیں جن کی اطاعت کا حکم ہے اور دوسرا یہ کہ ''**الافقہ والدین**'' یعنی یہ

فقہاء اور دینی سربراہ ہیں۔ یہ دونوں آراء نقل کرنے کے بعد ابن جریر اپنی رائے یہ بیان کرتے ہیں:

**و أولی الأقوال فی ذالک قول من قال هم الأمراء و الولاه.(۲۹)**

یعنی بہترین قول ان حضرات کا ہے جو کہتے ہیں کہ ان سے مراد امراء اور حکام ہیں۔

امام فخر الدین رازی نے اولی الامر کی تفسیر اہل الحل والعقد سے کی ہے یعنی ''وہ لوگ جو مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار اور مستند نمائندے ہوں اور فیصلے کرنا ان کے ہاتھ میں ہو۔(۳۰)

آنحضرت ﷺ اطاعت امیر سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

**مـن اطاعنی فقد اطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله ومن اطاع امیری وفی روایة من اطاع الامیر فقد اطاعنی ومن عصی امیری و فی روایة من عصی الامیر فقد عصانی.(۳۱)**

جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر یا مسلمانوں کے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر یا مسلمانوں کے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

''اگر تم پر ناک کٹا ہوا سیاہ فام غلام بھی امیر مقرر کیا گیا ہو جو تمہاری قیادت کتاب اللہ کے مطابق کر رہا ہو تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔(۳۲)

اس حدیث طیبہ میں ''جو تمہاری قیادت کتاب اللہ کے مطابق کر رہا ہو'' ارشاد فرما کر اطاعت امیر کو محدود کر دیا گیا۔ یعنی اگر وہ حدود اللہ سے تجاوز کر رہا ہو تو ان حالات میں اطاعت امیر جائز نہیں۔ خلیفہ اوّل سیّدنا صدیق اکبرؓ نے بار خلافت سنبھالنے کے بعد اپنے اوّلین خطبہ میں اسی نکتہ کا برملا اظہار فرمایا تھا:

**فاذا رأیتمونی قد استقمت فاتبعونی ان زغت فقد قومونی.(۳۳)**

جب تم مجھے دیکھو کہ میں سیدھے راستے پر چل رہا ہوں تو میری اتباع کرو اور میں راہِ راست سے ہٹ جاؤں تو مجھے ٹھیک کر دو۔

## شوریٰ

ایام جاہلیہ میں عربوں کے ہاں بالخصوص اہل مکہ کے ہاں شوریٰ کا نظام عملاً موجود تھا۔ اس ضمن میں ''دارالندوہ'' کو بہت شہرت حاصل ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے موقع پر اسی دارالندوہ میں آپ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا گیا تھا (**نعوذ باللّٰہ من ذالک**) ابن ہشام لکھتے ہیں:

**فحذروا خروج رسول اللہ و عرفوا انہ قد اجمع لحربھم فاجتمعوا لہ فی دارالندوۃ وھی دار قصی بن کلاب التی کانت قریش لا تقضی امرا الا فیھا یتشاورون فیھا.** (۳۴)

آنحضرت ﷺ کے ہجرت کر جانے سے قریش خوف زدہ ہو گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ آپ ان سے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں پس وہ دارالندوہ یعنی قصی بن کلاب کے گھر پر مشورہ کے لیے جمع ہوئے اور قریش کسی اہم معاملے کا فیصلہ اس مقام پر جمع ہو کر مشورہ کیے بغیر نہیں کرتے تھے۔

ابن ہشام قصی کے متعلق جن کا ذکر سابقہ روایت میں مذکور ہے، لکھتے ہیں:

''کعب بن لوی کی اولاد میں قصی پہلا شخص تھا جسے مکہ میں سلطنت حاصل ہوئی اور جس کی قریش اطاعت کرنے لگے، اس کے ہاتھ میں بیت اللہ کی نگرانی حاجیوں کو پانی پلانا، حج کے زمانے میں باہر سے آنے والوں کی مہمان نوازی، اکابر قریش کی مجلس کی صدارت جنگی قیادت جیسے پانچ کلیدی منصب تھے۔ اس طرح اس نے اپنے دامن میں مکہ کے سارے شرف و مجد کو سمیٹ لیا تھا۔ قریش کے کسی مرد یا عورت کا نکاح، پیش آمدہ کسی اہم معاملے میں مشورہ اور کسی اجنبی قبیلہ سے جنگ کا فیصلہ اسی کے گھر پر ہوتا تھا جس کا صدر اس کی اولاد میں سے کوئی ہوتا تھا۔ جب کوئی لڑکی بالغ ہوتی تو اس کے گھر میں اسے اوڑھنی اڑھائی جاتی اور اسے اس کے گھر پہنچایا جاتا''۔ (۳۵) (گویا یہ اس کے قابل نکاح ہونے کا اعلان تھا)۔

ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قریش ایک شورائی نظام حکومت سے واقف تھے، مکہ

کی حکومت میں شورائیت کا عنصر موجود تھا۔ چنانچہ اسلام نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس نے اس ادارہ کو قائم ہی نہیں رکھا بلکہ اس کی اصلاح وتہذیب کر کے دینی سیاست میں اس کو غیر معمولی اہمیت دی۔

اسلام میں امیر جہاں قرآن وسنت کا پابند ہوتا ہے، وہاں اسے ایمان والوں سے مشورہ کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اجتماعی امور کو حل کرنے اور بنیادی معاملات کے فیصلے کا حق کسی خاص فرد کے حوالے کرنے کے بجائے ساری امت کے حوالے کیا گیا ہے۔ سورۃ شوریٰ جو ایک مکی سورۃ ہے اور جس میں خالص اصولی ہدایات کی تفصیل دی گئی ہے، میں ایک مقام پر ان مومنین صادقین کی مدح وتوصیف کی گئی ہے جن کے لیے آخرت کی کامیابی مقدر ہو چکی ہے۔ انہی کے سلسلے میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ صادق الایمان اور اعلیٰ کردار سے آراستہ افراد ہیں جو خدا کے رسول کی دعوت کو دل وجان سے قبول کرتے اور اپنی ساری عملی توانائیوں کو اس کی اتباع میں لگا دیتے ہیں۔ اس وصف کلی کے بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا کہ یہ لوگ نماز قائم کرتے ہیں یعنی ان کا تعلق اپنے مولیٰ وآقا کے ساتھ حد درجہ پائیدار اور عملی ہوتا ہے، ان کی دوسری نمایاں ترین صفت یہ ہے کہ:

﴿وَ أَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾(۳۶)

(ترجمہ): ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔

علامہ ابوبکر جصاص حنفی اس آیۃ کریمہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''ایمان واقامت صلوٰۃ کے ساتھ شوریٰ کا تذکرہ اس کی جلالت شان پر دلالت کرتا ہے اور ساتھ ہی اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ امت مسلمہ مشورہ کرنے پر مامور اور اس کی پابند ہے''۔(۳۷)

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ''صحابہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان کے روبرو کوئی معاملہ پیش ہوتا تو وہ جمع ہوتے اور مشورہ کے ذریعے اسے طے کرتے۔ اللہ نے ان کی اس صفت کی تعریف کی کہ وہ کسی معاملہ میں انفرادیت نہیں برتتے، بلکہ اس کے برعکس جب تک کسی معاملہ پر متفق نہیں ہو جاتے اقدام نہیں کرتے''۔(۳۸)

ہجرت کے دو ہی سال بعد معرکہ بدر وقوع پذیر ہوا جو اسلامی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اس اہم اور فیصلہ کن معاملہ کا فیصلہ بھی باہم مشورہ سے کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے معاملہ کے تمام نشیب وفراز کو قوم کے

سامنے واضح الفاظ میں بیان کیا اور قوم کے اجتماعی فیصلے سے معرکہ بدر قائم ہوا۔ میدانِ بدر میں پڑاؤ کی جگہ کو بھی حباب بن منذر کے مشورہ سے تبدیل کر دیا گیا۔ اسی جنگ میں قید ہونے والے ابوالعاص کا فدیہ بھی باہم مشورہ سے معاف کیا گیا۔

غزوہ احد میں آنحضرت ﷺ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے جبکہ صحابہ کی اکثریت کی خواہش یہ تھی کہ وہ مدینہ سے باہر نکل کر شوق جہاد پورا کریں۔ حافظ ابن کثیر اس صورت حال کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"و ابی کثیر من الناس الا الخروج الی العدو ولم یتناهوا الی قول رسول اللّٰه و رأیه". (۳۹)

(ترجمہ) اکثریت مدینہ سے باہر نکلنے پر مصر تھی اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔

آنحضرت ﷺ ملکی مسائل بھی تمام اہل مدینہ کے براہِ راست مشورے سے طے کرتے تھے اور کبھی گفتگو مہاجرین و انصار تک محدود رہتی تھی۔ بنیادی اور اہم معاملات میں بالعموم پہلی صورت اختیار کی جاتی۔

دورِ جاہلیت کے قبائلی نظام میں ہر قبیلہ کا ایک سردار ہوتا تھا۔ اسلام نے اسی نظام کو باقی رکھا اور مناسب اصلاح کے بعد اپنے اعلیٰ مقاصد کے لیے استعمال کیا، جس وقت انصار نے بیعت عقبہ میں آنحضرت ﷺ کی حمایت کا حلف اٹھایا تھا، اس وقت آپ نے انصار سے فرمایا تھا کہ تم اپنے نمائندوں کو پیش کرو جو اپنی قوم کی تائید و حمایت کے ذمہ دار بنیں، چنانچہ اسی وقت اہلِ مدینہ نے قبیلہ خزرج کی مختلف شاخوں کے نو اور قبیلہ اوس کے تین نمائندے پیش کیے جنہوں نے وفاداری و نصرت کا عہد کیا۔ (۴۰) عہد جاہلیہ کے دو مشہور اداروں عریف اور نقیب کو بھی زندہ رکھا گیا۔ ذیل میں چند واقعات کی جانب توجہ مبذول کرائی جاتی ہے جس سے عہد نبویؐ میں شوریٰ کی عملی شکل پر روشنی پڑتی ہے۔

جنگ بدر کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے اپنی رائے کو تبدیل فرما کر مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کا فیصلہ فرما لیا۔ اس کے علاوہ عہد نبویؐ میں ۱ ہجری میں اذان سے متعلق مشورہ لیا گیا۔ ۲ ہجری میں اسیرانِ بدر کے سلسلے میں، ۶ھ میں واقعہ افک سے متعلق اور ۶ھ ہی میں حدیبیہ کے مقام پر استصوابِ رائے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ ۸ھ میں اسیران ہوازن سے متعلق شوریٰ طلب کی گئی اور ۱۰ھ میں معاذؓ بن جبل کو یمن کا گورنر مقرر کرتے وقت طلب کیا گیا۔

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ استصوابِ رائے کی صورت میں حق رائے دہی کے لیے صرف دو شرطیں ہیں۔ اسلام اور اسلامی شعور، اس کے علاوہ نہ کسی علمی ڈگری کی ضرورت ہے نہ ثروت مندی کی۔ نہ کسی خاص قیمت کی جائیداد کے مالک ہونے کی، نہ رنگ و نسل کی نہ قوم و وطن کی۔ اس صورت میں مرد عورتیں، بوڑھے، بچے، شہری اور دیہاتی مقام اور مسافر سب حق رائے دہی رکھتے ہیں۔

بات کو مختصر کرتے ہوئے ذیل میں ان اہم واقعات کی نشاندہی کر دی جاتی ہے، جن کے فیصلے کے لیے شوریٰ کے اجلاس منعقد ہوئے۔

۱۔ شوریٰ، اذاں ۱ھ

۲۔ شورائے بدر ۲ھ

۳۔ شورائے اسیران بدر ۲ھ

۴۔ شورائے احد ۳ھ

۵۔ شورائے خندق ۵ھ

۶۔ شورائے خندق دوبارہ مصالحت ۵ھ

۷۔ شوریٰ متعلق افک بر عائشہ ۶ھ

۸۔ شورائے حدیبیہ ۶ھ

۹۔ شورائے اسیران ہوازن ۸ھ

۱۰۔ شوریٰ متعلق معاذ بن جبل ۱۰ھ۔ (۴۱)

## ریاستی نظم و نسق

عہد نبوی میں اگرچہ تمام اختیارات آنحضرت ﷺ کی ذات میں مرکوز تھے، تاہم آپ نے اپنی مدد اور نظم و نسق کو چلانے کے لیے مختلف لوگوں کو مختلف ذمہ داریاں سونپیں۔

## نائبین رسولؐ

آنحضرت ﷺ جب مدینہ طیبہ سے باہر کہیں تشریف لے جاتے تو کسی کو اپنا جانشین مقرر فرماتے تھے۔ یہ جانشین رسول محض نماز کے لیے آپ کا نائب نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ آپ کا بحیثیت سربراہِ مملکت کے جانشین و خلیفہ ہوتا

تھا اور وہ آپ کی غیر موجودگی میں مدینہ میں موجود مقیم امت مسلمہ کی فلاح و بہبود اور اسلامی ریاست کے امور کی نگرانی کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ شروع کے دو غزوات ابواء اور بواط میں رسول اکرم ﷺ نے بالترتیب خزرج اور اوس کے قبائلی سرداروں حضرت سعدؓ بن عبادہ اور سعدؓ بن معاذ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ جنگ بدر کے موقع پر نائبین کی تقرری کے مسئلہ پر مورخین میں کچھ اختلافات پایا جاتا ہے۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام کا خیال یہ ہے کہ پہلے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابنِ ام مکتوم کو اس عہدہ پر سرفراز فرمایا تھا لیکن بعد میں کچھ مصالح کے پیش نظر آپ نے ان کی جگہ حضرت ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذ رخزرجی کی تقرری فرمائی اور ان کو آپ نے بدر کی طرف اپنے کوچ کے دوران روحاء نامی مقام سے واپس بھیجا تھا کہ وہ حضرت ابن ام مکتوم کی جگہ لے لیں۔ جبکہ بعض دوسرے مورخین کا خیال ہے کہ حضرت ابولبابہ نے جس نائب رسول ﷺ کی جگہ سنبھالی تھی وہ حضرت ابن ام مکتوم نہیں تھے بلکہ حضرت عاصم بن عدی اوسی تھے لیکن ان تمام ماخذ کا اتفاق ہے کہ غزوہ بدر کے دوران دوسرے نائب رسول حضرت حارث بن حاطب تھے، جن کو شہر کے بالائی حصہ کے لوگوں کی دیکھ بھال کا فریضہ سونپا گیا تھا۔ ۳ھ میں ایک غزوہ کے موقع پر حضرت عثمان بن عفانؓ اموی کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔ اسی طرح حضرت سباع بن عرفطہ غفاری کو تین مرتبہ خلیفہ رسول ہونے کی سعادت حاصل ہوئی، غزوہ تبوک کے دوران حضرت علیؓ بن ابی طالب کو صرف خاندانِ رسالت میں جانشینی کی یہ سعادت حاصل ہوئی۔

## مشیرانِ نبوی ﷺ

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ کے حکم الٰہی کے مطابق آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ مشورہ کو بہت اہمیت دی اور اہم سیاسی معاملات کا فیصلہ صحابہ کرامؓ کے مشورہ کی روشنی میں ہی کیا۔ شوریٰ کی بحث میں اس کا تفصیلی ذکر گزر چکا ہے اور بعثت سے پہلے مکہ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اس بات کو بھی بالصراحت بیان کیا گیا ہے کہ مکہ میں ایک ایسا نظام قائم تھا جس میں مشیروں اور وزیروں کو مختلف ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں اور دس ارکان پر مشتمل کابینہ کا تفصیلی ذکر بھی موجود ہے جو دس بڑے خانوادوں کے سرداروں پر مشتمل ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ مشاورت کے اصول پر ہمیشہ کاربند رہے اور مشیرانِ نبوی کا تقرر بھی عمل میں لایا گیا۔ ان مشیرانِ نبوی کو وزراء کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ وزیر کا لفظ قرآن وسنت میں مذکور ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں ہے:

﴿وَاجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي وَ أَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي﴾ (۴۲)

موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب دیجئے مجھ کو ایک وزیر میرے گھر کا،
ہارون میرا بھائی، اس سے مضبوط کر میری کمر اور شریک کر اس کو میرے کام میں۔

حدیث طیبہ میں عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

**ثم نظر فی قلوب العباد بعد فاختار له اصحابا فجعلهم انصار دینه و وزراء نبیه.** (۴۳)

(ترجمہ) پھر اللہ نے محمد کے بعد اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو اس کے لیے ایسے ساتھی پسند کر لیے جو اس کے دین کے مددگار تھے اور اس کے نبی کے وزیر تھے۔

ایک حدیث میں مذکور ہے:

''ہر نبی کے دو وزیر آسمان میں اور دو زمین پر ہوتے ہیں۔ میرے آسمان کے وزیر تو جبریل اور میکائیل ہیں جبکہ زمین پر میرے دونوں وزراء ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ (۴۴)

مشیرانِ نبوی یا وزراء رسالتمآب ﷺ میں جن حضرات کے اسماء گرامی نمایاں نظر آتے ہیں، ان میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سرفہرست ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت حباب بن منذر، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت سعد بن معاذ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے متعدد بڑے صحابہ کرامؓ شامل تھے۔ شوریٰ کا رکن بننے کے لیے کسی رسمی طریقہ کار کی ضرورت نہ تھی البتہ صلاحیت و لیاقت ناگزیر تھی۔ دارالندوہ کے ضمن میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ بعثت اسلام سے قبل اہل مکہ کے ہاں جو شورائی نظام تھا اس میں بھی شمولیت کے لیے کوئی رسمی کارروائی تو نہ کی جاتی تھی البتہ عمر رسیدہ ہونا، بالغ نظر ہونا، قبیلہ میں ممتاز مقام کا حامل ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ البتہ بعض لوگوں کو اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کے سبب صغرسنی میں ہی شوریٰ کا رکن بنا لیا گیا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے اس ادارہ کو قائم رکھا اور ان مذکورہ صفات کے ساتھ دینی وابستگی کو بھی ملحوظ رکھا۔

## کاتبین

کاتب کے لغوی معنی لکھنے کے ہیں اور اس کا کام وہی ہوتا ہے جو آج کے تنظیمی ڈھانچہ میں سیکرٹری سرانجام دیتا ہے۔

مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد کاتبوں کے قیام کی نوعیت مذہبی ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی رنگ بھی اختیار کر گئی تھی۔ چودھویں صدی کا ایک متأخر مصنف القلقشندی اپنے زمانے کے ریاستی شعبہ دیوان الانشاء (شعبہ مراسلات ورسل ورسائل) کے نقطہ آغاز سے بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ پہلا دیوان تھا جو اسلام میں پہلی بار اس وقت متعارف ہوا تھا جب رسول اکرم ﷺ نے اس کی بنیاد ڈالی تھی۔ وہ کاتبین جنہیں عہد نبویؐ میں اس کام کے کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، مورخین نے ان کی تعداد مختلف بتائی ہے۔ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں محض چند کے نام گنوائے ہیں جبکہ واقدی نے متعدد کاتبوں کا ذکر کیا ہے۔ ابن سعد نے سولہ کاتبوں کا ذکر کیا ہے۔(۴۵)

بلاذری اور طبری نے صرف دس نام گنوائے ہیں۔ سب سے زیادہ نام گنانے کا شرف برہان الدین صاحبِ حلبی کتاب سیرۃ حلبیہ کو حاصل ہے جس کے مطابق ان کی کل تعداد ۴۳ تھی۔ مشہور کاتبین وحی کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت ابی بن کعب خزرجیؓ
۲۔ حضرت ارقمؓ بن ارقم مخزومی
۳۔ حضرت ثابتؓ بن قیس
۴۔ حضرت جہیمؓ بن صلت
۵۔ حضرت خالدؓ بن سعید اموی
۶۔ حضرت زبیرؓ بن عوام اسدی
۷۔ حضرت شرحبیل بن حسنہ کندی
۸۔ حضرت عبداللہؓ بن بکر تیمی
۹۔ حضرت عبداللہؓ بن زید
۱۰۔ حضرت عثمانؓ بن عفان اموی
۱۱۔ حضرت علاءؓ بن حضرمی
۱۲۔ حضرت علاءؓ بن عقبہ
۱۳۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب

۱۴۔ حضرت محمدؓ بن مسلمہ اوسی

۱۵۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ

۱۶۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ ثقفی

یہ بحث حضرت بلالؓ حبشی کے ذکر کیے بغیر نامکمل ہوگی۔ ہر چند کہ بلال حبشی کا اسم گرامی کاتبین کی فہرست میں شامل نہیں، لیکن حقیقتاً انہیں حضورﷺ کے سیکرٹری کا درجہ حاصل تھا۔ حضرت بلالؓ آپکے تمام گھریلو امور، قرضوں کی فراہمی اور ادائیگی کے انتظامات، مہمانوں کی آسائش اور دیگر متعدد کاموں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ وہ رسول کریمﷺ کو نمازوں کے اوقات اور جماعت کی تیاری کی اطلاع بھی کرتے تھے۔ صاحب اسد الغابہ کا بیان ہے کہ حضرت بلالؓ آنحضرتؐ کے خازن بھی تھے۔ الغرض اس ضمن میں حضرت بلالؓ کو نہایت اہمیت حاصل تھی۔

## دورِ نبویؐ کے امراء الجیش (فوجی کمانڈر)

آنحضرتﷺ نے اسلامی ریاست کے دفاع اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے فوج کے قیام، اس کی تنظیم اور اس کی تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ باقاعدہ فوجی افسران کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ ان فوجی قائدین کی ایک فہرست ''الطبقاتِ الکبریٰ'' میں مذکور ہے۔(۴۶) ان فوجی قائدین کی تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی۔ طبقات میں مذکور فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔ ابن ابی العوجاء سلمی

۲۔ ابوقتادہ

۳۔ ابوعبیدہ بن جراح

۴۔ ابوعامر اشعری

۵۔ ابومسلمہ بن عبدالاسد مخزومی

۶۔ اسامہ بن زید

۷۔ بشیر بن سعد انصاری

۸۔ جریر بن عبداللہ البجلی

۹۔ جعفر بن ابی طالب ہاشمی

۱۰۔ حمزہ بن عبدالمطلب ہاشمی

۱۱۔ خالد بن ولید

۱۲۔ زید بن حارثہ

۱۳۔ سالم بن عمیر العمری

۱۴۔ سعد بن ابی وقاص

۱۵۔ سعد بن زید اشہلی

۱۶۔ شجاع بن وہب اسدی

۱۷۔ صدیق اکبر

۱۸۔ ضحاک بن سفیان کلابی

۱۹۔ طفیل بن عمرو الدوسی

۲۰۔ عاصم بن ثابت الانصاری

۲۱۔ عبداللہ بن انیس

۲۲۔ عبداللہ بن جحش اسدی

۲۳۔ عبداللہ بن حذافہ سہمی

۲۴۔ عبداللہ بن رواحہ

۲۵۔ عبداللہ بن عتیک

۲۶۔ عبدالرحمٰن بن عوف

۲۷۔ عبیدہ بن حارث

۲۸۔ عکاشہ بن محص اسدی

۲۹۔ عمیر بن عدی بن خرشہ خطمی

۳۰۔ علقمہ بن مجرز مدلجی

۳۱۔ علی بن ابی طالب ہاشمی

۳۲۔ عمر بن امیہ

۳۳۔ عمر بن خطاب

۳۴۔ عمرو بن العاص

۳۵۔ عیینہ بن حصن فزاری

۳۶۔ غالب عبداللہ

۳۷۔ قطبہ بن عامر بن حدیدہ

۳۸۔ کرز بن جابر الفہر ی

۳۹۔ کعب بن عمیر غفاری

۴۰۔ محمد بن مسلمہ

۴۱۔ مرثد بن ابی مرثد غنوی

۴۲۔ منذر بن عمرو الساعدی

آخری دو حضرات کا ذکر ابن سعد نے نہیں کیا لیکن بخاری شریف میں آیا ہے کہ ابو عامر اشعری کو جنگ اطاس کا امیر بنایا گیا تھا اور حضرت جریر کو اس فوجی دستے کا امیر مقرر کیا گیا تھ جو یمن میں ذوالخلصہ نامی بت خانہ کو مسمار کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔

## عہد نبوی کے امراء البلاد (علاقائی حکام)

آنحضرت ﷺ ریاست مدینہ کی توسیع کے ساتھ ساتھ اس میں شامل ہونے والے علاقوں کے انتظام، دیکھ بھال اور لوگوں کے امور کے فیصلوں کے لیے مختلف امراء کا تقرر عمل میں لائے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب قائم کیا ہے:

**باب ما کان یبعث النبیؐ من الامراء والرسل واحدا بعد واحد.** (۴۷)

اس چیز کا بیان کہ نبی کریم ﷺ امراء اور سفیروں کو یکے بعد دیگرے عامل بنا کر بھیجتے۔

امراء کو روانہ کرتے وقت آپ ﷺ خصوصی ہدایات بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ (مثلاً دس ہجری میں معاذ بن جبل کو بالائی یمن اور ابو موسیٰ اشعری کو زیریں یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو جاتے وقت ان دونوں کو درج ذیل ہدایت فرمائی:

''لوگوں پر آسانی کرو گے، نرمی کا رویہ اختیار کرو گے اور سختی نہیں کرو گے، اسلام پر عمل کرنے والوں کو بشارت دیتے رہو اور ایسا طرز عمل اختیار نہ کرو جس سے لوگ اسلام سے متنفر ہو جائیں''۔(۴۸)

بلاذری نے فتوح البلدان میں مختلف مقامات پر امراء کا تذکرہ کیا ہے، آنحضرت ﷺ نے مختلف اوقات میں جن امراء کا تقرر فرمایا وہ حسب ذیل ہیں:

| نام امیر | علاقہ |
|---|---|
| ابان بن سعید بن عاص | یمن |
| ابوسفیان بن حرب اموی | نجران |
| ابوموسیٰ اشعری | یمن سواحل |
| باذان بن ساسان | یمن |
| ثمامہ بن اثال | الیمامہ |
| شہر بن باذان | یمن |
| عتاب بن اسید | مکہ مکرمہ |
| عثمان بن ابوالعاص ثقفی | طائف |
| علاء بن الحضرمی | بحرین |
| عمرو بن سعید بن عاص | وادی قری (خیبر)(۴۹) |
| عمرو بن عاص | عمان |
| معاذ بن جبل | یمن جند |
| مہاجر بن امیہ | یمن |
| یزید بن ابی سفیان | تیماء |

علامہ بلاذری نے تین دوسرے درج ذیل ناموں کا بھی ذکر کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| خالد بن سعید بن عاص | یمن |

| | |
|---|---|
| زیاد بن بسید انصاری | حضرموت |
| عمرو بن حزم | نجران (۵۰) |

## عہد نبویؐ کے امراء صدقات

ابن ہشام، ابن حزم، ابن جریر، ابن کثیر اور ابن اثیر سب نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ریاست مدینہ میں شامل تمام علاقوں میں صدقات وصول کرنے کے لیے امراء کو مقرر فرمایا تھا۔

چند مشہور امراء صدقات درج ذیل ہیں۔

| نام امیر | نام علاقہ |
|---|---|
| زبرقان بن بدر | بنوسعد بن زید کا ایک علاقہ |
| زیاد بن لبید انصاری | حضرموت |
| عدی بن حاتم طائی | بنوطی و بنواسد |
| علاء بن الحضرمی | بحرین |
| علی بن ابی طالب ہاشمی | نجران |
| عمر بن خطاب | نجران (۵۱) |
| قیس بن عاصم | بوسعد بن زید کا دوسرا علاقہ |
| مالک بن نویرہ | بنوحنظلہ |
| مہاجر بن امیہ | صنعاء یمن |

## مہر (الخاتم)

ریاست کے لیے سرکاری مہر کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں بھی ''الخاتم'' (مہر) کو قانونی اہمیت حاصل تھی۔ امام ابوداؤد نے اپنی کتاب سنن ابی داؤد میں ''کتاب الخاتم'' کے نام سے مستقل عنوان قائم کیا ہے جس میں آٹھ ابواب ہیں اور ۲۶ حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ ایک دو روایت درج کی جا رہی ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے جب عجم کے لوگوں کو خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو بعض صحابہ نے کہا کہ یہ لوگ ایسا خط

وصول ہی نہیں کرتے جس پر مہر نہ لگی ہو، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی ایسی مہر (انگوٹھی) بنوائی جس پر ''محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا تھا۔(۵۲)

''ابن عمر رضی اللہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ کے بعد یہ مہر ابوبکرؓ کے پاس تھی لیکن بعد میں حضرت عثمانؓ سے اریس نامی ایک کنویں میں گر گئی تھی''۔(۵۳)

## عہد نبوی میں سزائیں نافذ کرنے والا عملہ

مجرموں کو سزائیں دینے کے لیے کسی وقت کسی کو بھی طلب کیا جا سکتا تھا۔لیکن کچھ افراد اس کام کے لیے مخصوص بھی تھے۔گویا یہ عہد نبوی کی پولیس تھی۔

اس ضمن میں مشہور حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت زبیر بن عوام

۲۔ حضرت ضحاک بن سفیان کلابی

۳۔ حضرت عاصم بن ثابت

۴۔ حضرت علی بن ابی طالب

۵۔ حضرت قیس بن سعد بن عبادہ

۶۔ حضرت محمد بن مسلمہ

۷۔ حضرت مقداد بن عمرو

زاد المعاد میں حضرت قیس بن سعد بن عبادہ سے متعلق ایک روایت نقل کی گئی ہے۔

**و کان قیس بن سعد الانصاری منه بمنزلة صاحب الشرطة من الامیر.**(۵۴)

اور قیس بن سعد رسول اللہ ﷺ کے دربار میں پولیس افسر یا کوتوال کی حیثیت رکھتے تھے۔

## عہد نبوی میں بازاروں کی نگرانی کرنے والا عملہ

بازاروں اور مارکیٹ کی قیمتوں کے توازن اور استحکام کی ذمہ داری بھی ریاست پر عائد ہوتی ہے سو اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آنحضرت ﷺ نے سعید بن عاص کو مکہ کے بازار کی نگرانی کے لیے مامور فرمایا

تھا، اسلامی اصطلاح میں اس نظام کو حسبہ کا نام دیا گیا اور اس ذمہ داری کو ادا کرنے والے کو ''المحتسب'' کہا جاتا ہے۔(۵۵)

ایک وقت مدینہ کے بازار کی نگرانی کے لیے حضرت عمرؓ کو مامور کیا گیا۔(۵۶)

## عہد نبویؐ کے سفراءِ مملکت

آنحضرت ﷺ نے اپنے مشن، مقاصد اور دعوت الی اللہ کے لیے مختلف ممالک میں سفراء کو بھیجا، قیصر و کسریٰ کو بھیجی جانے والی سفارتیں روانہ کی گئیں۔ابن حزم نے دس خطوط کا ذکر کیا ہے جو دس بادشاہوں کے نام بھیجے گئے تھے اور ان میں سے چار نے اسلام قبول کرلیا تھا۔(۵۷)ابن ہشام نے تو نو افراد کی سفارتوں کا ذکر کیا ہے۔

## عہد نبویؐ کے دو مشہور سیاسی و معاشرتی ادارے (عرافہ اور نقابہ)

عہد جاہلیہ کے سماجی اداروں میں ''عرافہ اور نقابہ'' قدیم ادارے تھے اور عرب معاشرہ میں بہت اہمیت رکھتے تھے، یہ حکومت اور عوام میں واسطہ کی حیثیت رکھتے تھے۔اپنے حلقے کے سیاسی و سماجی حالات سے حکومت کو آگاہ کرنا ان کی ذمہ داری ہوتی تھی۔آنحضرت ﷺ نے ان کی مزید آبیاری کی۔ایسے اداروں میں عرافہ اور نقابہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

عریف ایک چھوٹے حلقے کا نمائندہ ہوتا تھا۔ہر قبیلہ میں دس دس افراد پر ایک عریف مقرر ہوتا تھا۔قبیلہ میں ذہین، تجربہ کار اور مالدار شخص کا انتخاب کیا جاتا تھا۔عہد نبوی میں اس ادارے کے وجود کی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں۔(۵۸)

فتح مکہ کے بعد شوال ۸ھ میں جنگ حنین ہوئی۔اس میں قبیلہ ہوازن وثقیف کے بہت سے لوگ جنگی قیدی ہوگئے تھے۔اختتام جنگ کے بعد قبیلہ ہوازن کے لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے درخواست کی، رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ میں ان قیدیوں کو واپس کرنا چاہتا ہوں، تم میں سے جو شخص خوشی سے آزاد کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔لوگوں نے کہا ہم بخوشی آزاد کرتے ہیں، مگر آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم تم میں سے کون بخوشی اجازت دیتا ہے اور کون نہیں، لہذا تم لوگ اپنے عریفوں کے ذریعے اس معاملے کو پیش کرو۔

یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے جب ریاست پوری طرح وجود میں آچکی تھی۔چنانچہ اس واقعہ سے یہ امر بخوبی

واضح ہو جاتا ہے کہ بنحضرت ﷺ نے اس سیاسی وسماجی ادارے کو باقی رکھا اور ان کے عرفاء کی نمائندہ حیثیت کو تسلیم کیا۔

## نقابہ

عریف کا دائرہ کار محدود ہوتا تھا۔ وہ اپنے محلے یا علاقے کے افراد کے حقوق وفرائض کی نگہبانی کرتا تھا۔ اس کے برعکس نقیب کی ذمہ داریاں زیادہ وسیع ہوتی تھیں۔ وہ ملک اور قومی سطح پر نمائندگی کرتا تھا۔

اسلام کی سیاسی تاریخ میں بیعت عقبہ کو جو بنیادی اہمیت حاصل ہے، سیاسیات کا ہر طالبعلم اس سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اس موقعہ پر اہل مدینہ کے ساتھ ایک معاہدہ طے پایا جو قبیلہ خزرج سے تھے اور تین قبیلہ اوس سے ان تمام نقباء کو حضور ﷺ نے خود نامزد نہیں فرمایا تھا بلکہ تمام نام انصار کی جانب سے پیش کیے گئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے انصار سے تکمیل بیعت کے بعد فرمایا تھا:

> **اخرجو لی منکم اثنی عشر نقیبا لیکونوا علی قومھم بما فیھم فاخرجوا منھم عشر نقیبا، تسعة من الخزرج، وثلاثة من الاوس.** (۵۹)
>
> تم لوگ اپنے میں سے بارہ افراد پیش کرو، جو اپنے قبیلوں اور قوموں میں نقیب کے فرائض انجام دی گے تا کہ ان میں باہمی اختلاف کی صورت میں یہ لوگ حکم ہوں، چنانچہ انہوں نے بارہ افراد کا انتخاب کیا۔ نو خزرج میں سے تھے اور تین قبیلہ اوس میں سے تھے۔

حضرت عبادہ بن صامت جو ان بارہ نقیبوں میں سے تھے۔ اس واقعہ کو بڑی مسرت سے بیان کرتے ہیں۔ ''مسلم'' میں ان کی روایت ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے:

> **''عن عبادة بن الصامت قال: انی من النقباء الذین بایعوا رسول اللّٰہ ﷺ، وقال بایعناہ علی ان لا نشرک باللّٰہ شیئا ولا نسرق ولا نقتل النفس التی حرّم اللّٰہ الا بالحق ولا ننتھب ولا نعصی، فالجنة ان فعلنا ذالک، فان غشینا من ذالک شیئا کان قضاء ذالک الی اللّٰہ تعالیٰ''.** (۶۰)

حضرت عبادہ بن الصامت فرماتے ہیں کہ میں ان نقیبوں میں سے ہوں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، نہ چوری کریں گے، نہ کسی کو ناحق قتل کریں گے، نہ لوٹ مار کریں گے، نہ نافرمانی کریں گے، اگر ہم نے اس عہد پر عمل کیا تو جنت میں جائیں گے اور اگر ان میں سے کسی برائی پر عمل کیا تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

آنحضرت ﷺ کے مقرر کردہ نقباء کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔ حضرت ابو جابر عبداللہ بن عمرو

۲۔ حضرت اسید بن حضیر

۳۔ حضرت براء بن معرور

۴۔ حضرت رافع بن مالک

۵۔ حضرت رفاء بن عبدالمنذر

۶۔ حضرت سعد بن زرارہ

۷۔ حضرت سعد بن الربیع

۸۔ حضرت سعد بن عبادہ

۹۔ حضرت سعد بن خثیمہ

۱۱۔ حضرت عبادہ بن الصامت

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ

۱۲۔ حضرت منذر بن عمرو

آنحضرت ﷺ نے صرف نقیبوں کا تقرر نہیں فرمایا بلکہ نقیب النقباء کا عہدہ بھی متعین کیا اور اس منصب پر حضرت سعد بن زرارہ کو مقرر فرمایا تھا۔ بلاذری، سعد بن زرارہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''سعد بن زرارہ قبیلہ بنونجار میں سے تھے، ان کی کنیت ابوامامہ تھی۔ ہجرت نبوی کے نویں ماہ ان کا انتقال ہوا۔ اس زمانے میں مسجد نبوی تعمیر ہو رہی تھی۔ انہیں

بقیع کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ یہ نقیب النقباء تھے۔(٦١)

اس مختصر بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ زمانہ جاہلیت کے یہ دو قدیم ادارے علاوہ ازیں حلف اور ولاء اپنی پوری اسپرٹ کے ساتھ عہد نبوی میں بھی کام کرتے رہے۔

## اسلام کی سیاسی تعلیمات اور عہد نبویؐ میں ان کا نفاذ

یہ بات تو بدیہیات میں سے ہے کہ اسلام ایک منظّم معاشرہ کا قیام چاہتا ہے۔ جہاں ایک مستقل حکومت ہو، حاکم بھی ہو، محکوم بھی اور ہر ایک کے حقوق و فرائض متعین ہوں اور دائرہ کار واضح ہو۔ اس ضمن میں یہ ضروری تھا کہ قرآن و حدیث میں صراحت کے ساتھ ایسے احکام موجود ہوں جو امور ملکی کی تنظیم و تنسیق اور حکومتی ذمہ داریوں کی ادائیگی سے براہ راست تعلق رکھتے ہوں۔

چنانچہ جب ہم قرآن وسنت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں بنیادی سیاسی اصول پوری طرح روشن نظر آتے ہیں جن کی روشنی میں کسی ریاست کی بنیادوں کو مستحکم کیا جا سکتا ہے، اور پھر اسلام کا یہ اعجاز پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہے کہ اس نے صرف خوبصورت و دلکش اصول پیش کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان پاکیزہ اصولوں کو، ہم عہد نبویؐ میں عملی صورت میں بھی دیکھتے ہیں۔ زیر نظر سطور میں یہی حقیقت بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلام کے سیاسی نظام کا پہلا بنیادی تصور اقتدار اعلیٰ کا تصور ہے۔

## عرب جاہلیہ کے صاحب عزت افراد

سیاسی طور پر یہ امر نہایت اہمیت کا حامل تھا کہ وہ لوگ جو عہد جاہلیہ میں سیاسی یا سماجی طور پر بلند مقام اور منصب رکھتے تھے، اسلام لانے کے بعد ان سے کیا سلوک کیا جائے اور انہیں کس مقام و مرتبہ پر رکھا جائے، چنانچہ اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کی واضح ہدایت موجود ہے، ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے۔

"خیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام"

اب اس حدیث طیبہ میں دیئے گئے اصول پر آپؐ نے مختلف مواقع پر عملی ثبوت فراہم فرمایا۔ مثلاً فتح مکہ کے موقع پر مکہ کے حکمرانوں عتاب بن اسید کے اسلام لانے پر مکہ کی گورنری انہی کے سپرد فرمائی (٦٢)۔

آیت کریمہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ اِلَی اَھْلِھَا.....الخ﴾ کے تحت ابن جریر یہ

روایت نقل کرتے ہیں کہ:

''یہ آیت حضرت عثمان بن طلحہ کے بارے میں ہے۔ بیت اللہ کی کنجی برداری کا منصب ان کے خاندان کے پاس تھا، فتح مکہ کے موقعہ پر چونکہ یہ مسلمان ہو چکے تھے اور اس کام کا ان کو سابقہ تجربہ بھی تھا۔ رسول اللہؐ نے ان سے کنجی لے کر بیت اللہ کا دروازہ کھولا، اندر تشریف لے گئے باہر تشریف لائے اور آپ کی زبان پر یہ آیۃ کریمہ تھی، چنانچہ آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا اور بیت اللہ کی کنجی ان کے حوالے کردی'' (۶۳)۔

عہد نبویؐ کے اسی سیاسی نظام کا یہ وہ مختصر سا خاکہ ہے جس کی مستحکم بنیادوں پر آئندہ اسلام کی وسیع ترین اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ جس نے امور جہانبانی کو نئی جہتیں دیں، تہذیب وتمدن کے نئے چراغ روشن کئے۔ عدل وانصاف کے اعلیٰ معیارات قائم کئے، اور دنیا کی نقشے پر ایک ایسی عظیم ریاست وجود میں آئی جو اپنی مثال آپ تھی۔

## حواشی وحوالہ جات


۱۔ القرآن۔النور:۵۵

۲۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، اُردو اکیڈمی سندھ، ط-۱۹۸۱ء، ص ۷۵

۳۔ ایضاً

۴۔ سید شمیم حسین قادری، اسلامی ریاست قرآن وسنت کی روشنی میں (مطبوعہ علماء اکیڈمی، لاہور، جون ۱۹۷۴ء) ص ۱۵

۵۔ نکلسن، رینالڈاے، لٹریری ہسٹری آف عربز (عربوں کی ادبی تاریخ)، کیمبرج، دی یونیورسٹی پریس ۱۹۶۹ء، ص ۱۷۳

۶۔ حسن ابراہیم حسن، مسلمانوں کا نظم مملکت، مترجم مولوی عبداللہ صدیقی (دارالاشاعت کراچی، س، ن) ص ۲۰

۷۔ ''مواخات''، یعنی بھائی چارے کی بنیاد ڈالی۔ اور یہی وہ حکیمانہ طرز عمل تھا جس نے مہاجر ومقیم کے فرق کو مٹا کر انہیں باہم شیر وشکر کردیا۔

۸۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ج ۵، کتاب البیوع، باب ما جاء فی قول اللہ تعالیٰ: فاذا قضیت الصلاۃ فانتشروا، ص ۸۸

۹۔ ایضاً

۱۰۔ محمد بن علی بن طباطبائی ابن الطقطقی، الفخری فی الآداب السلطانیہ و الدول الاسلامیۃ، (المطبعۃ الرحمانیۃ۔ مصر ۱۹۲۷ء) (الفصل ثانی) ص ۵۲

۱۱۔ القرآن۔الزمر۔٦

۱۲۔ القرآن۔الاعرف۔۵۴

۱۳۔ غزالی۔التبر المسبوک فی نصائح الملوک (مطبوعہ جمالیہ مصر۱۳۰٦ھ) ج دوم،ص٦۔۷

۱۴۔ مودودی،سید ابوالاعلیٰ،سنت کی آئینی حیثیت،(مطبوعہ،اسلامک پبلیکیشنز،شاہ عالم مارکیٹ،لاہور۱۹٦۳ء)، ص ۳۱۔۳۲

۱۵۔ ابن خلدون،مقدمہ،ص۱۵۳،۱۵۴

۱٦۔ المسعودی،مروج الذهب، ج۲،ص۱۱

۱۷۔ حوالہ ایضا،ص۱۹۱

۱۸ الموسوعة الفقهية، ج٦،ص۲۱۸-۲۱۹،وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامية،الكويت،ط-اوّل،۱۹۸۵ء۔

۱۹۔ مودودی،سید ابوالاعلیٰ،اسلامی ریاست،(اسلامک پبلیکیشنز،۱۹٦۲ء)،ص۱۹۸

۲۰۔ القرآن۔الانعام۔۵۷

۲۱۔ القرآن۔آل عمران۔۲٦

۲۲۔ القرآن۔الانعام۔٦۲

۲۳۔ ابوداؤد،سلیمان بن اشعث السجستانی،كتاب الاقضية، باب اجتهاد الراى فى القضاء

۲۴۔ القرآن۔النساء۔۵۹

۲۵۔ القرآن۔المائدہ۔۸

۲٦۔ ابوداؤد،ج۴،ص۳۷۵

۲۷۔ ابن ہشام،السيرة النبويه، جلد دوم،ص۳۱۸ (طبع مصر)

۲۸۔ القرآن۔النساء۔۵۹

۲۹۔ طبری،محمد بن جریر،تفسير جامع البيان، بیروت۲۰۰۱،ج۵،ص۱۴۷،۱۵۰

۳۰۔ فخر الدین رازی،تفسير كبير، مؤسسة المطبوعات الاسلامية، القاهرة،ط-۱،ج۱۰،ص۱۴۴

۳۱۔ بخاری،الجامع الصحيح، كتاب الاحكام، باب قول الله تعالىٰ: اطيعوا الله و اطيعوا الرسول.

۳۲۔ مسلم،مسلم بن حجاج،صحيح مسلم، كتاب الحج، باب استحباب رمى جمرة العقبة يوم النحر.

۳۳۔ بخاری،الادب المفرد،ص۵۳،محمد حسین ہیکل،ابوبکر الصدیق،(شرکہ مساہمہ مصر۱۹۵۸ء)ص۲۷

۳۴۔ ابن ہشام،السيرة النبوية، مطبوعہ لیدن،ص۸۰

۳۵۔ ایضا

۳٦۔ القرآن۔الشوریٰ۔۳۸

۳۷۔ ابوبکر جصاص،احكام القرآن، احياء التراث العربى، بیروت،ط۱۴۰۵ھ،ج۵ص۲٦۳

۳۸۔ فخر الدین رازی،تفسير كبير، ج۷،ص۴۱۵

۳۹۔ ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن کثیر الدمشقی، البدایة والنهایة، احیاء التراث، بیروت، ط-۱، ۱۹۸۸ء، ج۴، ص۱۵

۴۰۔ ابن ہشام، السیرة النبویة، ص۲۹۷

۴۱۔ ابن کثیر، محولا بالا

۴۲۔ القرآن۔ طہ۔ ۲۹

۴۳۔ محی السنہ ابی محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی، شرح السنه، (طبع بیروت، ۱۹۷۱ء) ج۱، ص۲۱۴

۴۴۔ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی، مشکوٰة المصابیح، (دمشق ۱۹۶۱ء)، ص۱۶۰

۴۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، (بیروت ۱۹۵۷ء)، ج۲، ص۲۵۷

۴۶۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، (طبع بیروت ۱۹۶۰ء)، ج۲، ص۱۹۲

۴۷۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب اخبار الاحاد، باب ما کان یبعث النبیؐ من الامراء.

۴۸۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجهاد والسید، باب فا بکره من التنازع والاختلاف.

۴۹۔ ابن حجر، فتح الباری، ج۱۶، ص۳۷۱

۵۰۔ بلاذری، فتوح البلدان، (طبع مصر ۱۰۰ء)، ص۷۶

۵۱۔ ابن اثیر، عزالدین ابوالحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد، الکامل، ج۲، ص۱۶۵

۵۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب مایذ کر فی المناولة.

۵۳۔ ایضا

۵۴۔ ابن قیم، زاد المعاد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط ہشتم ۱۹۸۵ء۔ ج۱، ص۱۲۷

۵۵۔ ابن عبدالبر القرطبی، الاستیعاب، علی حاشیه الاصابه، المکتبة التجاریة، مصر، ط ۱۹۳۹ء، ج۲، ص۸

۵۶۔ سیرت الحلبیة، ج۳، ص۴۲۴

۵۷۔ ابن حزم، جوامع السیر، دارنشر الکتب الاسلامیۃ، لاہور، س ن، ص۲۹۔۳۰

۵۸۔ پروفیسر محمد یوسف فاروقی کا فکر ونظر میں عرافہ اور نقابہ پر ایک تفصیلی مضمون شائع ہوا ہے۔ (فکر ونظر ج۱۹، شمارہ اکتوبر ۱۹۸۱ء)

۵۹۔ ابن ہشام، السیرة النبویة، بیعت عقبہ ثانیہ

۶۰۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب الحدود والکفارات لأهلها.

۶۱۔ بلاذری، احمد بن یحیی، انساب الاشراف، تحقیق ڈاکٹر محمد حمید اللہ، دار المعارف، مصر، س ن، ج۱، ص۲۴۳

۶۲۔ ادریس کاندھلوی، سیرة المصطفی، (مطبوعہ تعلیمی پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۸۲ء) حصہ سوم، ص۷۸

۶۳۔ ابن جریر، تفسیر الطبری، ج۵، ص۱۴۵